اصطلاحات تصوف از روئے معنی نئے پہلو

از: محمد اقبال
لیکچرار عربی، گورنمنٹ ڈگری کالج، کہوٹہ راولپنڈی

اصطلاحات تصوف ایک بہت بڑے ادبی ذخیرے کی نمائندگی کرتی ہے، اسی وجہ سے ان کی ایک علیحدہ فرہنگ، خاص طریقے اور منفرد تعبیرات ہیں۔ اور یہی تعبیرات ہی دراصل ادب کے میدان میں ان کے مذہب کی ترجمانی کرتی ہیں۔

صوفیہ کرام کے علاوہ دوسرے اہل علم حضرات کا خیال ہے کہ یہ رمز واشارہ کے قبیل سے ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، کیونکہ اس سے ان کا مقصد جان بوجھ کر غرابت پیدا کرنا ہوتا ہے، اسی لئے وہ پیچیدہ الفاظ اور مبہم معانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، مزید یہ کہ وہ انہیں عام لوگوں کے لئے نہیں لکھتے، بلکہ وہ صرف خواص یعنی عارف لوگوں کے لیے انہیں ضبط تحریر میں لاتے ہیں، بلاشبہ وہ اس اپنے خاص تجربے کو حقیقت کا روپ دینے میں کامیاب رہے۔ ''فان من ضاق عرف'' لہذا وہ شخص جوان کا ذوق رکھتا ہے وہ ان کو پہچان لیتا ہے۔

ہم اس مختصر مضمون میں تصوف کے الفاظ واصطلاحات اور ان کے معانی ومفاہیم کے مابین رشتہ کو پہچاننے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے کہ بہر صورت ان الفاظ کا تعلق عام لغت سے تھا، لیکن یہ غیر مجازی رشتوں کی وجہ سے اپنے اصلی معانی ومفاہیم سے ہٹ کر نئے معانی ومفاہیم میں استعمال ہونے لگے، جبکہ اس میں عقلی نظریے کا بھی کوئی سروکار نہیں، اس لئے کہ اس حوالے سے بحث وتحقیق انتہائی مشکل امر ہے، بالکل اس طرح جس طرح ان کے معنوی تدرج وتطور کا احاطہ ناممکن ہے، تاہم ہمارے

لئے اس حوالے سے کچھ اہم حقائق کی طرف اشارہ کرنا ممکن ہے، جو بلاشبہ اس حوالے سے ذوق رکھنے والے حضرات کے لئے مزید بحث وتحقیق کی راہ ہموار کرے گی۔

الفاظِ صوفیہ کے مآخذ:

صوفیہ کرام کے خاص الفاظ، واصطلاحات کے مطالعہ کرنیوالے شخص کا عمومی طور پر موقف ہوتا ہے کہ یہ متعدد مآخذ سے ماخوذ ہیں، بعدازیں انہیں ان نئے معانی کی طرف پھیر دیا گیا، جو صرف انہی حضرات (صوفیہ کرام) کے ساتھ مخصوص ہیں، اوران کی دقیق ترین فہم اوروں کی جانب سے انتہائی ناممکن ہے، یہ اس لیے کہ ان کا دارومدار خاص تجربے اور ذوقی معرفت پر ہے۔ اور یہ دونوں ایسے امور ہیں جنہیں علم منطق کے اصولوں ومقاییس کے تابع کرنا محال ہے، ہمارے لئے صوفیہ کرام کی اکثر اصطلاحات کی بظاہر دین اسلام کے مختلف علوم مثلاً فقہ، توحید، وغیرہ کی طرف کرنا کوئی مشکل کام نہیں، کیونکہ ان کی اکثریت قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ سے مستمد وماخوذ ہے، مثال کے طور پر جب ہم امام اسماعیل عبداللہ بن ابی منصور محمد انصاری ہروی رحمہ اللہ تعالی (ت ۴۸۱ھ) کے ہاں منازل عشرہ کے ابتدائی مقامات کی اصطلاحات وعناصر (یقظہ، توبہ، محاسبہ، انابت، تفکر، تذکر، اعتصام، فرار، ریاضت، سماع) پر غور وخوض کرتے ہیں [1]۔ تو ماسوا ریاضت کے سب کا لفظی یا معنوی طور پر قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، اوراسی طرح تصوف کے مختلف ابواب (حزن، خوف اشفاق، خشوع، اخبات، زھد، ورع، تبتل، رجاء، رغبت وغیرہ) کی کیفیت ہے، ان کی اکثریت بھی اپنے معانی کے حساب سے قرآنی ہے، اگرچہ ان پر انہوں نے کچھ نئے پہلوؤں کا اضافہ کردیا ہے۔ جو صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اور ان اصطلاحات کے ذکر سے گفتگو لمبی ہوجائے گی، جنہیں صوفیہ کرام نے قرآن حکیم اور حدیث نبوی ﷺ سے اخذ کیا ہے، یقیناً اس حوالے سے بہتر مثال، جو ان حضرات کے الفاظ کے تصرف اور اپنی معروف اصطلاحات کے مطابق معانی پیدا کرنے کے طریقے کار کو واضح کرسکے گی، وہ ان کے ہاں "علم لدنی" ہے، جس کی اصل لفظ "لدن" ہے جو اللہ تعالی کے اس قول مبارک: "وعلمناہ من لدنا علما" [2] میں آیا ہے، اور یہ ایک ایسا علم ہے جو باہر سے دل کے اندر کسی غیر مانوس طریقے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح صوفیہ کرام ایسی اصطلاحات کو بھی استعمال کرتے ہیں، جو عام لغت سے ماخوذ ہیں جیسے حریت (آزادی) اور حزن (غم) [3]۔ وغیرہ، لیکن یہ دونوں اپنے معروف و مانوس معنی میں استعمال نہیں ہوتے، اسی وجہ سے ان کے ہاں حریت اور عبودیت کے درمیان شھوات، نفس اور شیطان کا تعلق ہے، تو جو شخص، جوان کے پیچھے پڑ گیا وہ ان کا غلام بن گیا۔ اور وہ شخص جوان کے چنگل سے جان چھڑا گیا، وہ آزاد ہو گیا، اور ''حزن'' عام لوگوں کی نظر میں ہر صورت دنیا و مافیھا پر ہوتا ہے، اور شاذ و نادر ہی کسی اور چیز پر ہوتا ہے، جبکہ ان کے ہاں اس کے لیے شرط ہے کہ وہ دنیا و مافیہا پر نہ ہو اور حزن ہی صوفی کا زادراہ اور سرمایہ حیات ہے، ان کے مطابق ایک شادمان دل خراب و فارغ دل ہے، اور حزین دل ایسا دل ہوتا ہے جو ایمان، خشیت اور امید و رجاء سے بھرا ہوا ہوتا ہے [4]۔

عام لغت کا عجز:

شیخ اکبر امام محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ تعالی (ت ۶۳۸ھ) کی رائے ہے کہ: روحانی علم (یا اس کی نقطہ نظر میں ذوقی الہی علوم) باقی تمام علوم سے مختلف ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ نہ تو کسی قاعدے وقانون کے تابع ہوتا ہے، اور نہ ہی عقل کی بالادستی کو تسلیم کرتا ہے، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ:

"فلا یقدر عاقل علی ان یحدھا، ولا یقیم علی معرفتھا دلیلا، کالعلم بحلاوۃ العسل ومرارۃ الصبر ولذۃ الجماع والعشق والوجد والشوق، وما شاکل ھذاالنوع من العلوم، فھذہ علوم من المحال ان یعلمھا احد الا بان یتصف بھا ویذوقھا وبالذوق تتمیز الاشیاء عندالعارفین والکلام علی الاحوال لایحتمل البسط، وتکتفی فیہ الاشارۃ الی المقصود، ومھما بسطت القول فیہ افسدتہ، فعلوم الاذواق لاتنقل ولا تنحکی ولا یعرفھا الا من ذاقھا الی من لم یذقھا، وبینھم فی ذلك تفاضل لا یعرف"۔

ترجمہ:

کوئی عقلمند شخص نہ تو اس کی تعریف پر قادر ہے، اور نہ ہی اس کی معرفت پر کوئی دلیل قائم کرنے کی استطاعت رکھتا ہے، اس کی مثال بالکل اس طرح ہے جیسے شہد کی مٹھاس اور صبر کی کڑواہٹ کا علم، اور جماع، عشق، وجد، شوق کی لذت وغیرہ جیسے علم، لہذا یہ ایسے علوم ہیں جن کی معرفت ماسوا اس شخص کے محال ہے، جو ان کے ساتھ متصف ہو، یا ان کا ذوق رکھتا ہو، اور عارف لوگوں کے ہاں چیزوں کی معرفت، ذوق کے ذریعے ہی حاصل کی جاتی ہیں۔ جبکہ احوال کے متعلق گفتگو شرح وبسط کی متحمل نہیں ہوتی، بلکہ اس میں مطلب ومقصد کی طرف اشارہ ہی کافی ہوتا ہے، اس بات کو آپ جتنا طول دیں گے، اتنی ہی اس میں خرابی پیدا ہوگی، اس لئے کہ علوم اذواق میں نہ تو قیل وقال ہوسکتی ہے، اور نہ ہی ان میں روایت وحکایت سے کام لیا جاتا ہے۔ بلکہ صرف انہیں ان کا ذوق رکھنے والا ہی پہچان سکتا ہے، یہی ہے وجہ کہ اس حوالے سے ان کا ذوق نہ رکھنے والا شخص، ان کے ذوق رکھنے والے شخص کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا، یقیناً ان کے درمیان ایک غیر محدود درجہ بندی پائی جاتی ہے۔

یہاں ہم ایسے معانی کے سامنے ہیں جو نفس کے اندر حاصل ہوتے ہیں، اور لغت ان کے بیان سے قاصر ہوتی ہے، اس لئے کہ زبان متکلم وسامع یا ان میں سے کسی ایک ہاں کسی معروف شئے کے بارے میں بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے زبان سے منتخب کردہ الفاظ سے اس چیز کی تشریح وتوضیح پیش کرتا ہے، اور جہاں تک صوفیہ کرام کے الفاظ کی بات ہے، تو ان کا تعلق اصوات کی رو سے لغت کے الفاظ سے ہی ہوتا ہے، لیکن معنی کے حساب سے وہ لغت کے تمام الفاظ سے مختلف ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے معانی، عام لوگوں کے ہاں ان میں جدت ودقت کے نہ ہونے کی وجہ سے متعارف نہیں ہوتے، اور نہ ہی وہ الفاظ اپنی تحصیل میں کسی مشہور ومعروف قاعدے وقانون کے تابع ہوتے ہیں، بلکہ وہ عام الفاظ کے طریق سے ہٹ کر بذریعہ حلول، نفس کے اندر ظاہر ومنکشف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعد میں غیر صوفیہ کی لغات (معاجم) وعقول میں جگہ نہیں پا سکے، اور مزید یہ کہ وہ اپنی فطرت اور طریقہ ادراک کے حساب سے بھی

ایک صوفی سے دوسرے صوفی کے ہاں مختلف ہوتے ہیں، اور بسا اوقات ان کا محدود علم رکھنے والا صوفی بھی ان کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتا، چہ جائیکہ غیر صوفی ان میں جتنا بھی کمال مہارت حاصل کر لے، اس حوالے سے علامہ ابن خلدون (ت۸۰۸ھ) کہتے ہیں:

ان التعبير عن تلك المدارك والمعانى المنكشفة من علم الملكوت متعذرة ، لا بل مفقودة ، لان الفاظ التخاطب فى كل لغة من اللغات انما وضعت لمعان متعارفة من محسوس او متخيل او معقول تعرفه الكافة ، اذ اللغات تواضع واصطلاح ، فلا توضع الا للمعروف المتعاهد ، فاما ما ينفرد بادراكه الواحد فى الاعصار والاجيال فلم توضع له ، ولا يصح التجوز بهذه الالفاظ على طريق المجاز ، اذ التجوز انما يكون بعد مراعاة معنى مشترك او نسبة بوجه بين عالم ملكوت وعالم الملك ، بل هى متعذرة او مفقودة [5]

ترجمہ:

بلاشبہ علم ملکوت سے ظاہر ہونے والے مدارک ومعانی کے بارے میں تعبیر کرنا مشکل ہے، بلکہ بے معنی ہے، اس لئے کہ ہر زبان میں گفتگو کے الفاظ ان معروف ومتداول حسی یا خیالی یا عقلی معانی کے لئے وضع کئے جاتے ہیں جنہیں عام لوگ جانتے ہیں، کیونکہ زبانیں وضع شدہ اشیاء اور اصطلاحات سے عبارت ہیں لہذا وہ متعارف چیزوں کے لئے ہی بنائی گئی ہیں، اور جہاں تک بات ہے کہ مدتوں اور صدیوں سے کسی چیز کے ادراک کے ساتھ کوئی ایک شخص منفرد ہے، تو اس کے لئے زبان نہیں بنائی جاتی، اور ان الفاظ کی طرف تجاوز بھی از راہ مجاز کسی صورت ٹھیک نہیں، کیونکہ کسی لفظ کی طرف تجاویز یا تو کسی معنوی اشتراک یا نسبت کی رعایت کے بعد ہوتا ہے اور عالم ملکوت و عالم ملک کے درمیان کیس صورت کوئی نسبت نہیں ہے، بلکہ یہ مشکل و ناپید ہے۔

یہیں سے صوفیہ کرام مجبورا اشارات وتلمیحات کی طرف متوجہ ہوئے، جبکہ ان کے علاوہ ہر سامع ان کے معانی کے اردگرد ان میں گہرائی تک پہنچے بغیر منڈلاتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ معرفت عقل اور معرفت قلب کے درمیان تفریق کرتے ہیں، کیونکہ ان حاصل شدہ معانی کی حقیقی ومجازی تعبیر محال ہے، جنکا تعلق علم مکاشفہ یا علم باطن سے ہے۔

إن القلب عند تطهيره و تزكيته من الصّفات المذمومة ثمّ إخماد القوى البشريّة، و محذاة جانب الحق يرتفع عنه الحجاب، و يتجلّىٰ فيه النّور الإلّهى، فتنكشف له بذلك أسرار الوجود علوه و سفله و ملكوت السماوات والأرض فتتضح له معانى العلوم و الصانع و تنحل جميع الشكوك و الشبه و يطلع على ضمائر القلوب و أسرار الوجود و تنكشف له معانى المتشابهات الواردة فى الشرع حتّىٰ تحصل له المعرفة بحقائق الوجود كلها على ما هو هى عليه "[٦]

ترجمہ:

بلاشعبہ دل کے صفات مذمومہ سے پاک وصاف ہونے پھر انسانی طاقتوں کے ملیا میٹ ہونے اوراس کے راہ حق پر چلنے کی وجہ سے اس سے حجابات اٹھ جاتے ہیں، اوراس میں نورالٰہی جلوہ گر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے لئے کائنات اس کی بلندی، پستی، اور آسمانوں وزمین کے اسرار و رموز منکشف ہونے، علوم وصنائع کے معانی ومفاہیم واضح ہونے اور جملہ شکوک وشبہات چھٹنا شروع ہوجاتے ہیں۔ پھر وہ دلوں کے چھپے بھید اور کائنات کے اسرار پر مطلع ہوتا ہے اوراس پر شرع شریف میں وارد ہونے والے متشابہات کے مطالب آشکار ہوتے ہیں، یہاں تک کی کائنات کے سارے حقائق، اس حیثیت سے جس پر وہ ہیں، کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے۔

اور جس طرح ہم نے تھوڑی دیر پہلے بیان کیا ہے کہ جب لغت ان حقائق کی تعبیر سے عاجز

ہوگئی، جن کا صوفیہ کرام اپنی تجلیات میں ادراک کرتے ہیں، تو انہوں نے اشارات وتلمیحات کے ذریعے ایسی راہ پائی، جس کی مدد سے جو انہیں اپنے مابین ایک دوسرے کے مکاشفات کو قریب لانے، یا نہیں ایک دوسرے کو یا اپنے علاوہ اس کو، جو ان کو سمجھنا چاہتا ہے، کے سمجھانے پر قادر ہو گئے۔ اس حوالے سے علم کلام کے ماہر حضرات ہمیشہ علم منطق اور عام لغت کے متعارف ومتداول کا سہارا لیتے ہیں، اور جہاں تک ان حضرات کی بات ہے تو ان کا ایک اپنا طریقہ ہے۔ اس لئے کہ ان کے علوم مناطقہ اور علمائے لغت کے علوم سے یکسر مختلف ہیں۔

"علوم الخواطر، علوم المكاشفات، وهى التى تختص بعلم الاشارة، وهو العلم الذى تفرد ت به الصوفية...، وانما قيل: علم الاشارة، لان مشاهدات القلوب، ومكاشفات الاسرار لايمكن العبارة عنها على التحقيق..."[۷]

ترجمہ:

علوم خواطر، علوم مشاہدات ومکاشفات ہیں، اور یہ ایسے علوم ہیں، جو علم اشارہ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور علم اشارہ وہ علم ہے جس کے ساتھ صرف صوفیہ کرام منفرد ہیں۔۔۔، اور انہیں علم اشارہ سے اس لئے موسوم کیا گیا، کیونکہ دلوں کے مشاہدات اور اسرار کے مکاشفات ایسی چیزیں ہیں، جنہیں یقیناً الفاظ میں بیان کرنا انتہائی ناممکن ہوتا ہے، اسی وجہ سے ان کے علوم عام لوگوں سے پوشیدہ اور صرف انہی کے لئے کھلے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے علوم کے لئے ایسے الفاظ ایجاد کئے ہیں جو صرف ان کے ہاں متعارف ومتداول ہیں اور وہی ان کی طرف اشارات ورموز سے کام لیتے ہیں، وہی صرف ان کے معانی جانتے ہیں، اور ان کے علاوہ اور لوگ ان سے ناواقف ہیں، یہی وجہ تھی جس کی بناء پر قدیم وموجود زمانے میں مصنفین کی بہت کم تعداد جیسے قاشانی رحمہ اللہ تعالی، کاشانی رحمہ اللہ تعالی (ت ۱۳۲۹ھ)، اور ابن عربی رحمہ اللہ تعالی (ت ۶۳۸ھ) وغیرہ نے اصطلاحات صوفیہ کی تشریح وتوضیح

کے لئے قوامیس ومعاجم مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالی (ت ۸۱۶ھ) کی ''کتاب التعریفات'' کے حاشیے پرطبع شدہ شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالی کی کتاب ''اصطلاحات الصوفیۃ'' کے مقدمے میں آتا ہے:

"امـا بـعـدفـانك اشـرت الينـا بشرح الالفـاظ التى تداولها الـصـوفية الـمـحـقـقون من اهل الله بينهم، لما رايت كثيرا من علماء الـرسـوم ، وقـد سـالـونـا فـى مـطـالـعة مـصنفاتنا ، ومصنفات اهل طـريـقـتـنـا مع عدم معرفتهم بما تواطاعليه من الالفاظ التى يفهم بها بعضنا عن بعض، كماجرت عادة اهل كل فن من العلوم...." .

ترجمہ:

حمد وصلوۃ کے بعد: آپ نے ہم سے ان الفاظ کی تشریح کی طرف اشارہ کیا، جو محققین صوفیہ کے مابین متداول مروج ہیں، کیونکہ آپ نے دیکھا ہے کہ علماء ظواہر کی ایک بڑی تعداد ہم سے ہماری تصنیفات اور باقی اہل طریقت کی کتب کی تشریح کرنے کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کو نہیں جانتے، اس لئے کہ باقی اہل علوم وفنون کی مانند ہمارے درمیان بھی کچھ ایسے الفاظ متعارف ومتداول ہیں جنہیں صرف ہم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اصطلاحات صوفیہ ایک بہت بڑا ادبی سرمایہ شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ اس کی گہری روحانی زندگی کی نمائندگی وترجمانی کرتا ہے۔ جسے صوفیہ کرام ہی زندہ وبیدار رکھے ہوئے، اور ہم اس حوالے سے قمر گیلانی صاحب کی الفاظ میں قریب قریب یہ کہ سکتے ہیں:

"ان لهم مـعـجـمهـم الـخـاص، وتعبيرهم الـخـاص ، وطرقهم الـخـاصة، وهـذه التعابير تمثل مذهبهم فى الادب والرمز، المذهب الـذى عيـب عـليهـم سـلـوكـه ، حتـى ان الثـعالبى حين اخذ على

المتنبی قال: امثال الفاظ المتصوفة واستعمال کلماتهم المعقدة ، ومعانیهم المغلقة ، واعتقد ان الصوفیة ارادو ا هذاالغموض والرمز ، وعمدوا الیه باختیار هم ، لانهم لایقولون الشعر اوالنثر لعامة الناس، وانما یقولون لفئة خاصة من اصحاب القبور وذوی الابصار" [9]

ترجمہ:

ان کی علیحدہ فرہنگ ، ومنفرد تعبیرات ، اور خاص طریقے ہیں، اور یہی تعبیرات ان کے ایک ایسے مذہب کی ادب ورمز کے میدان میں نمائندگی کرتی ہیں ک جس کی وجہ سے ان کے سلوک کو معیوب قرار دیا گیا، یہاں تک کہ امام ثعالبیؒ نے جب مشہور شاعری متنبّی پر تنقید کی تو یوں کہا کہ: اس کی مثال صوفیہ کرام کے خاص الفاظ ، ان کے پیچیدہ کلمات اوران کے مبہم معانی کے استعمال کی طرح ہے، جبکہ میرا خیال ہے کہ صوفیہ کرام نے اس غموض ورمز کو قصداً اختیار کیا اور اس کی طرف جان بوجھ کر متوجہ ہوئے ، کیونکہ وہ اپنے شعر یا نثر عام لوگوں کے لئے نہیں لکھتے بلکہ وہ اس خاص گروہ کے لئے لکھتے ہیں ، جو اصحاب قلوب اور ارباب بصیرت ہیں، اور یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیئے کہ:

"کل ما نعرفه حتی یومنا هذا عن الصوفیة ضئیلا ومحدودا بالمقارنة بما ذکره علماء وفقهاء الصوفیة فی کتبهم، وحتی هذا الجزء الضئیل من المعرفة الصوفیة غیر معروف الا لفئة قلیلة متخصصة فی جامعاتنا، ویرجع ذلك الی عدم الالمام بمعانی الالفاظ الصوفیة لدی کثیر من المتعلمین والمثقفین" [10]

ترجمہ:

ہم جو کچھ آج دن تک صوفیہ کرام کے متعلق جانتے ہیں وہ بہت کم اور محدود ہے، اس کے مقابلے

میں، جسے صوفیہ کرام کے اپنے علماء وفقہاء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، یہاں تک صوفی معرفت کا یہ محدود حصہ، ہماری جامعات میں موجود قلیل متخصص گروہ کے لئے غیر معروف ہے، جس کی بڑی وجہ طلبہ واہل علم حضرات کی ایک بڑی تعداد کے ہاں صوفیہ کے الفاظ کے معانی کے ساتھ عدم اہتمام ہے۔

ہم یہاں صوفیہ کرام کے معانی ومفاہیم کی اصل کے متعلق ان بعض معلومات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جن کے ان کے اکابرین اپنی تحریرات میں تاکید کرتے آئے ہیں، چنانچہ علامہ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ تعالی (ت ٦٦٠ھ) اپنے اس قصیدے میں یوں لکھتے ہیں جس کا محور یہ نقطہ نظر ہے کہ کائنات کی اصل انسان ہے:

"اذا كنت تقرأ علم الحروف   فشخصك لوح به أسطر

و تمثال ذلك أنموذج   لكل الوجود لمن يبصر

حروف معانيك لاتنقرى   لذى الجهل كلا ولا تظهر [11]

جب آپ علم حروف کا مطالعہ کریں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کی شخصیت ایک تختی کی مانند ہے، جس پر سطریں ہوتی ہیں، اور اس کی تصویر میں صاحب بصیرت شخص کے ہاں تمام کائنات کے لئے کئی نمونے ہیں، آپ کے معانی کے حروف نہ تو ایک جاہل شخص کے لئے واضح ہوسکتے ہیں، اور نہ ہی کسی صورت اس پر منکشف ہوسکتے ہیں، اور یہاں جاہل سے علامہ صاحب کی مراد صوفیہ کرام کے علاوہ غیر عارف باللہ شخص ہے، اس لئے کہ یہاں تک جو شخص اللہ کی معرفت کا دعوی کرتا ہے، وہ بھی یقیناً اسطرح نہیں ہوسکتا،

يا ايها المدعى لله عرفانا   و قد تفوه بالتوحيد اعلانا

وتطلب الحق بالعقل الضعيف   بالقياس والرأى تحقيقا وتبيانا [12]

ترجمہ:

اے اللہ سبحانہ وتعالی کے عرفان کے دعوی کرنے والوں! آپ کبھی کبھار توحید کا اعلان تو کرتے ہیں، لیکن اس کی تشریح وتوضیح کے لئے کمزور عقل، قیاس اور رائے کا سہارا لیتے ہیں، ان کی نظر میں چونکہ عقل کمزور ہے اور اس کے لوازم قیاس ورائے وغیرہ حجابات کے پار کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور اس تک رسائی صرف مجاہدات، ذوق اور علم قلوب کی بدولت ہوسکتی ہے۔

اصطلاحات صوفیہ کے معانی ومفاہیم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان ابتداء میں اپنے عقل کی بنسبت اپنے حواس پر زیادہ اعتماد کرتا تھا، بعدازیں عقل ترقی کرتا گیا تو اس کی روشنی میں انسان اپنے حسی معارف کو منظم کرنے، اور ان کی وجہ جواز بیان کرنے لگا، اور اس پر ہمارے پاس بطور دلیل، لغت کے وہ الفاظ ہیں، جن کا دنیا کی اکثر وبیشتر زبانوں میں ''مہینے'' پر اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ ہم ان کو اس لفظ سے مشتق پاتے ہیں، جن کا ہلال وقمر پر اطلاق ہوتا ہے [۱۳]

اس لئے کہ انسان نے چاند کے گھومنے کی وجہ سے (اور یہ وہ چیز ہے جس کا حاسہ بصر سے ادراک کیا جاتا ہے) زمانے کی حدود کو جانا، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تقویم شمسی پیچھے رہ گیا، کیونکہ وہ حساب کا سہارا لیتا ہے، اور وہ عقلی ہے نہ کہ حسی اور اسی سے وہ الفاظ ہیں جن کے ذریعے مشرق ومغرب) ایسے الفاظ ہیں جن کی مدد سے طلوع شمس اور غروب شمس کو پہچانا جاتا ہے اور یہ ایسی چیزیں جن کا حس کے ذریعے ادراک کیا جاتا ہے، جبکہ آخری دو (شمال وجنوب) ایسی چیزیں ہیں جو اس طرح نہیں پہچانی جاتی، بلکہ ان کا علم عقل کا مرہون منت ہوتا ہے۔

عربی لغت یعنی اس کے الفاظ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والا شخص اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے، کہ اکثر الفاظ ابتداء میں ان مفاہیم کے لئے استعمال ہوتے رہے، جن کا تعلق عام طور پر مادی یعنی حسی معانی سے ہوتا تھا، پھر ان مفاہیم میں ترقی آئی، یہاں تک وہ معنوی یا عقلی معانی میں استعمال

ہونے لگے، مثال کے طور پر پیار، نرمی، اور شفقت وغیرہ جیسے الفاظ کا تعلق ایسے انسانی معانی سے ہے، جو اصل میں مادی معانی ہیں، جو اونٹنی اور اس کے بچے کے ساتھ مختص ہے، بلاشبہ یہ ایک بہت بڑا موضوع ہے، جس پر گفتگو کافی لمبی ہوجائے گا، لیکن یہاں ہمارے لئے یہ اہم ہے کہ بات حسی اور معنی کے دائرے سے نہ نکل جائے، یعنی وہ کون سی چیزیں ہیں، جن کا ادراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور وہ کون سی اشیاء ہیں جن کی پہچان عقل کی مرہون منت ہے۔

اور صوفیہ کرام ہمیں اپنے علوم ومعارف میں نئے پہلوؤں کی طرف لے جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ حس وعقل کے دائرے سے آگے بڑھ کر ذوق کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں، اور اسے ہی عقل وحس کی مانند معرفت کا گیٹ وے بناتے ہیں، چنانچہ ان کا قول ہے:

"من ذاق عرف، ومن لم يذق لم يعرف"

ترجمہ:

جس شخص نے اس کا ذائقہ چکھ لیا اس نے معرفت حاصل کرلی، اور جس نے اسے نہیں چکھا وہ معرفت سے قاصر رہا، یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے صوفی وجد وشوق کے ذائقے کو نہیں چکھا، وہ کبھی حقیقی وجد وشوق کی ماہیت کو نہیں پہچان سکتے"[۱۴]

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تصوف ایک ذوقی تجربہ ہے، وہ کوئی پڑھا، یا پڑھایا جانے والا علم نہیں ہے، بلکہ وہ ایسا روحانی تجربہ ہے، جس کا مادیت سے دور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، اور دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ معاصر علم کا تصوف کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں، اس لئے کہ اس علم کا میدان مادہ ہے، جبکہ تصوف ایک روحانی چیز ہے، اور اس کا ادراک صرف اس فیلڈ کا ایک تجربہ کار انسان ہی کرسکتا ہے، یہیں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب صوفیہ کرام کی کسی مجلس میں کوئی عام آدمی داخل ہوتا ہے، تو اس کے لئے ان کے الفاظ واشارات کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے، اور جب ان کی مجلس میں ایک صوفی آدمی آتا ہے، تو وہ ان کے درمیان فوراً گھل مل جاتا ہے۔ اور ان کے اقوال کو بآسانی سمجھتا ہے، گویا کہ وہ

انہیں ایک لمبے عرصے سے پہچانتا تھا، اور یہ اس کے لئے ایک عام طبعی اور متعارف ماحول گردانا جاتا ہے [۱۵]

اصطلاحات صوفیہ کا شمار ان عام اصطلاحات میں نہیں ہوتا ہے، جو عقلی اور نظری منطق کے تابع ہوتی ہیں، بلکہ:

"تفهم عن طريق الذّوق والكشف ، ولايتاتى ذلك الا لسالك يداوم على مخالفة الاهواء وإخلاص العبادات والسّير فى طريق الله بالرّياضات والمجاهدات فى الطّاعات، حتّٰى تنكشف لهذا المريد الصّادق غوامضها و تتجلّٰى بها كالجواهر الفريدة لا ينازعه فى فهمها إلّا من وصل إلىٰ درجته أو تجاوزها من أقرانه و أساتذته فى الطّريق" [۱۶]

ترجمہ:

انکی فہم ذوق وکشف کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے، اور وہ صرف اس سالک کو ملتی ہے، جو خواہشات نفس کی ہمیشہ مخالفت کرنے، گناہوں سے بچنے، جملہ لالچوں سے الگ ہونے کے ساتھ ساتھ، اللہ تعالی کی اطاعت کے پیش نظر، اپنی جملہ عبادات کو اس کے ساتھ خاص کرنے اور اس کی راہ میں آگے بڑھنے کے لیے کثرت سے مجاہدوں اور ریاضتوں سے کام لیتا ہے، یہاں تک کہ اس مرید صادق کے لیے ان کے اشکالات منکشف ہونے اور ان کے معانی واضح ہونا شروع ہوجاتے ہیں، تو ان سے ناپید جواہر کی مانند اس طرح آراستہ ہوتا ہے کہ ان کی فہم کے حوالے سے اسے کوئی چیلنج نہیں کرسکتا، ماسوا اس شخص کے جو اس کے مقام تک پہنچا ہوا ہوتا ہے، یا وہ لوگ جو طریقت میں اس کے ساتھی اور اساتذہ ہوتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صوفیہ کرام اپنے مجاہدوں اور ریاضتوں میں عقل وحس کے حدود سے

آگے بڑھ کر فناء کے اس درجے تک پہنچ جاتے ہیں جو اتحاد کی دوسری وجہ کی نمائندگی کرتی ہے اور تمام مخلوق سے الگ ایک ایسے عالم میں علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں، جو اپنے آثار، علامات اور خدوخال میں عام لوگوں کے عالم سے مختلف ہوتا ہے، اور اس کی طرف رسائی یوں ممکن ہوتی ہے کہ انسان تمام حسی اور عقلی مدرکات سے فناء ہو جائے، یہاں تک کہ ہر طرح کے فعل و شعور سے مکمل طور پر آزاد ہو جائے، اور ایسی تفکری حالت پر رہنا شروع کر دے جو اسے عقلی شعوری زندگی کی حد تعطیل تک پہنچا دے[۱۷]

تو نتیجہ یہ نکلا کہ الفاظ کے وہ معانی و مفاہیم، جنہیں صوفیہ کرام اپنے مشاہدات اور احوال کی مدد سے بیان کرتے ہیں (اگرچہ بظاہر وہ الفاظ عوام الناس میں مشہور و متداول ہوتے ہیں) وہ عامۃ الناس کے معانی و مفاہیم سے مختلف ہیں، اور اپنی جہات، سمات، پہلوؤں، ترقی اور ان رشتوں میں جو انہیں باہم مربوط کرتے ہیں اور ان اسباب میں، جو ان کی توجیہ پیش کرتے ہیں) عقل و منطق کے مشہور اصولوں اور معروف معیاروں کی پیروی و اتباع نہیں کرتے، بلاشبہ معنوی ترقی کے وہ نئے پہلو، جن کا ''اصطلاحات صوفیہ'' عکس پیش کرتی ہیں، وہ کشف اور اکتساب معرفت کے حوالے سے ان کے طریقہء کار میں واضح ہوتے ہیں، چنانچہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابو حامد محمد بن الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ (ت: ۵۰۵ھ) یوں فرماتے ہیں:

"علمت أنّ طريقهم تتم بعلم و عمل، و كان حاصل علومهم قطع عقبات النّفس، والتنزه عن أخلاقها المذمومة، و صفاتها الخبيثة، حتّى يتوصّل إلٰى تخلية القلب عن غير الله تعالىٰ، و تحلّيته بذكرالله.......و كان العلم أيسر عليّ من العمل..... فظهر لى أن أخص خواصهم مالا يمكن الوصول إليه بالتّعليم، بل بالذّوق و إلحال تبدّل الصّفات، فعلمت يقينا أنهم أرباب أحوال لا أصحاب أقوال."[۱۸]

ترجمہ:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کا طریقہ علم وعمل دونوں سے تکمیل پذیر ہوتا ہے، اوران کے علوم کا خلاصہ: نفس کی گھاٹیوں کو طے کرنا اوراسے اس کی بری عادات اور گندی صفات سے پاک کرنا ہے، یہاں تک کہ وہ بندہ اس مقام تک پہنچ جائے کہ اس کا دل غیر اللہ سے مکمل طور پر الگ اور ذکر اللہ سے پوری طرح آراستہ ہوجائے، اور عمل کی نسبت علم میرے لئے زیادہ آسان تھا، لہذا میرے لئے یہ واضح ہوچکا ہے کہ ان کے خواص کی یہ خاصیت ہے کہ اس تک تعلیم کے ذریعے رسائی ممکن نہیں ہے، بلکہ ذوق اور حال کی مدد سے ہی حالات تبدیل ہوتے ہیں اور یہ بات میں پوری طرح جان چکا ہوں کہ بلاشبہ یہ لوگ اصحاب احوال ہیں نہ کہ اہل اقوال، تو صوفی کی معرفت اور عالم ومتکلم کی معرفت کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ آخرالذکردو: حدود، تعریفات، منطق اور عقل کے دائروں میں محصور ہیں، جبکہ صوفی ایک ایسی حقیقت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، جس کی تعریف وتوضیح اس طرح کی جاسکتی ہے:

" فحقيقة التّصوف أن تغني حالك عن مقالك ......والمتصوّفة هم الّذين لا يشهد سوى الله أسرارهم ......ولهم استعداد سام و إحساس مرهف ولهم وراء الاستعداد والإحساس عقل راجح، و وراء العقل بصير نفّاذة ، و عزم قويّ و هداية موهوبة. وإلهام لدنّي " [19]

ترجمہ:

کہ تصوف کی حقیقت یہ ہے کہ تیرا حال تجھے تیرے مقال سے بے نیاز کردے، اورصوفیہ کرام وہ لوگ ہیں جن کے رموز واسرار کی گواہی اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، اوران کے ہاں بڑی تیاری اور تیز احساس موجود ہے، اوراس تیاری واحساس کے پیچھے ایک غالب عقل ہے، اوراس عقل کے پیچھے

روشن بصیرت، مضبوط عزم، خداداد ہدایت اور لدنی الہام ہے۔

صوفیہ کرام نے متشابہ آیات کو اپنا سرچشمہ قرار دیا، کیونکہ ان میں انہیں اپنی اصطلاحات کو ایجاد کرنے میں کافی امداد میسر آئی، اور ان کے مفاہیم میں بڑی حد تک وسعت پیدا کرنے کا موقع ملا، اس لئے کہ ہمیں قرآن پاک میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جنھیں باطنی معانی کی طرف پھیر دیا گیا، اور کسی صورت ان کی ظاہری معنی کے ساتھ تفسیر نہیں کی جاسکتی، لہذا اللہ تعالی کے اس قول: ﴿ فأينما تولّوا فثمّ وجه الله﴾ میں لفظ 'وجه'' کا کیا معنی ہے؟ اور اس مشہور حدیث قدسی:

"ولا يزال العبد يتقرّب إليّ بالنّوافل حتّى أحبّه، فإذا أحببته كنت سمعه الّذى يسمع به، و بصره الّذى يبصر به، ولسانه الّذى ينطق به،و يده الّتى يبطش بها .."

میں وارد مختلف اعضاء (کان، آنکھ، زبان، ہاتھ) کے کیا معانی ہیں؟ اور اس بات کا ذکر بھی بہت اہم ہوگا کہ صوفیہ کرام نے درج بالا حدیث میں فناء (جس طرح بندے کا اپنے رب میں اور عاشق کا اپنی معشوق میں فناء ہونا) (۲۰) کے معانی کے لئے وسیع موقع پایا، کیونکہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور ان کی حرکات وسکنات ایسی چیزیں ہیں، جب ان کی انسان کی طرف نسبت کی جائے تو ان کا حس اور عقل کے ذریعے ادراک بآسانی ہوسکتا ہے، لیکن جب انکی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جائے تو یہ ایک شکل امر ہے، کہ جس کے فہم وادراک میں تمام عقول واجزا اور جملہ اجسام قاصر ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ ایک بیک وقت قریب وبعید اور اجنبی ومعروف ہے، جس طرح کہا جاتا ہے کہ یہ ایک بیک وقت آسان اور مشکل اسلوب ہے۔

صوفی شفافیت اور پردوں کی وہ باریکی، جو صوفی اور حقیقت کبری کے درمیان فاصلہ پیدا کرتی ہے، ایسے دو امور ہیں، جو صوفی کو اس کے اردگرد کے ادراک کے لئے اس کے حس وعقل سے بے نیاز کرتے ہیں، اس لئے کہ انسان کو ان کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب اسے پوشیدہ چیزوں کا ادراک حاصل کرنا اور پردوں کے پیچھے اشیاء کو معلوم کرنا ہو، بہرحال جب اس کے اور اشیاء کے حقائق

کے درمیان کوئی پردہ یا فاصلہ نہ ہو، تو وہ عقل وحس سے مستغنی ہوتا ہے۔ اور اس کی کچھ زیادہ تصویر آپ کے قریب یوں لائی جاسکتی ہے، جب آپ اس مسئلے کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیں، جس نے جنگل کو کسی کتاب میں پڑھ کر یا کسی کی بات کو سن کر پہچانا ہو، اور دوسرا وہ شخص ہے جس نے اسے کسی ٹی وی سکرین پر دیکھ کر پہچانا ہو، اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کے طول و عرض میں گھوما پھرا ہو، تو پہلا شخص معنی کے ادراک کے لیے پڑھے ہوئے یا سنے ہوئے لفظ کو استعمال کرے گا، اور دوسرے نے چونکہ گھومتے ہوئے رنگوں سے اس کا ادراک کیا ہوا ہے، اس لئے وہ اسی طرح اپنی طرف سے اس کے لئے مناسب الفاظ کا انتخاب کرے گا، اور جہاں تک تیسرے کی بات ہے تو وہ رموز وتمثیلات سے ہٹ کر واضح الفاظ استعمال کرے گا، اس لئے کہ وہ اس تک بلا واسطہ پہنچا ہے۔

اور جب صوفی اس مقام تک پہنچتا ہے تو اس کے ادراکات کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، اور وہ اشیاء کو انتہائی جامع و مانع انداز میں سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تصرفات ہمارے جیسے ایک عام آدمی کی نظر میں بہت زیادہ عجیب وغریب ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات ہم اس کے ان غیر مانوس اور اجنبی کاموں کی وجہ سے اس کی جنون ودیوانگی کی طرف نسبت کرنے سے بھی باز نہیں آتے [۱۲]

اور یہیں سے ہم کہہ سکتے ہیں: معنوی ترقی کے وہ پہلو جن کا اصطلاحات صوفیہ عکس پیش کرتی ہیں وہ ''رمزیہ'' کا ایک نیا رخ ہے اور یہ اس سریالیہ کے کافی مشابہ ہے، جسے صرف اس کا صاحب ہی جانتا ہے یا وہ شخص ان کا ادراک کرسکتا ہے جو اپنے حواس سے الگ ہو جائے، اور عقل کے دائرے سے تجاوز کر کے ایک ایسے بلند و بالا مقام پر پہنچ جائے جہاں نفس، روح کی شفافیت کی وجہ سے کائنات کے حقائق کے ساتھ اس طرح متصل ہو جائے جہاں وہ واقعات اور حواس کے ادراک کو علماء کے عقول اور عوام الناس کے احساسات کے حوالے کر دے اور یہیں سے ہم ان کی اصطلاحات کا نہ کوئی فلسفہ بیان کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں لغوی ترقی کے مشہور قوانین وقواعد کے تابع بنا سکتے ہیں بلکہ وہ متقاضی ہیں کہ ہم ان کے لئے ان کے اپنے مصادر ومراجع سے نئے نئے قواعد اور قوانین تلاش کریں، اس کی

وجہ واضح ہے کہ یہ عقل وحس کی پیداوار نہیں ہیں، بلکہ یہ روشن نفس کی تجلیات اور پاک روح کا ماحصل ہیں۔

تصوف اور عام اصطلاحات میں فرق کے چند نمونے:

اب ہم یہاں عربی اصطلاحات سے کچھ الفاظ پیش کرتے ہیں تا کہ جان سکیں کہ ان سے عامۃ الناس کیا مراد (لغوی معنی) لیتے ہیں؟ اور صوفیہ کرام کے ہاں ان کے کیا خاص معانی ہیں؟ یعنی دونوں کے عرف میں کتنا بڑا فرق ہے:

(۱) "سھر" لغت میں اس سے مراد عدم نوم (بے خوابی) ہے، لیکن صوفیہ کرام کے ہاں اس سے مراد عدم غفلت ہے یعنی ہمہ وقت ذکر اللہ میں مشغول رہنا اور چونکہ بے خوابی کا تعلق رات سے ہوتا اس لئے ان کے ہاں یہ معنی لیا جاتا ہے کہ دن کے ساتھ ساتھ رات کو بھی اللہ رب العزت کی یاد سے غافل نہ رہیں۔

(۲) "صمت" عام لغت میں اس سے مراد ترک کلام (خاموشی) ہے، جبکہ لغت تصوف میں اس مراد یہ ہے کہ ضمیر ہر طرح کی تفصیلات وتشریحات سے خاموش رہے [۲۲]

(۳) "ذھاب" جس طرح ہم جانتے ہیں کہ اس لفظ کا معنی "کسی طرف جانا" ہے البتہ بعض اوقات اس سے موت بھی مراد لی جاتی ہے، جس طرح مشہور شاعر ابونواس کے اس شعر میں آیا ہے: "کلّ الأنام الی ذھاب" "تمام مخلوق کو جانا ہے۔ یعنی ہر ایک کو موت آنی ہے لیکن صوفیہ کرام کے ہاں اس سے مراد اللہ تعالی کے لیے خالص محبت اور اس سے انتہائی لگاؤ کے نتیجے میں اس کی ذات بابرکات میں فناء ہو جانے ہے، اور فناء عشق الٰہی کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ اور حسی ادراکات سے چھٹکارے کا نام ہے۔[۲۳]

(٤) "حــزن" (غم): صوفیہ کرام کے ہاں یہ ایک محرک ہے، جو حزین مرید کو مجاہدات و ریاضات کے سفر کے دوران ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف اس مرید سے زیادہ آسانی سے منتقل کرنے کا سبب بنتا ہے، جو اپنا غم کھو چکا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''إنّ ما یقطعه الحزین فی شهر، یقطعه غیر الحزین فی سنة''[24] ایک حزین سالک جتنا سفر ایک ماہ میں طے کرتا ہے، اتنا غیر حزین ایک سال میں کرتا ہے۔ دراصل ''حزن'' صوفیہ کرام کے ہاں دل کی ایک ایسی آواز ہے، جو نفس کو خوشی و سرور کے تلاش کرنے سے منع کرنے کا سبب بنتی ہے، اور وہ اس وقت ایک طرح کا غم ہے، جو صوفی کو ہر وقت اپنے حال کے حوالے سے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

جبکہ لغوی معاجم کی روشنی میں حزن کا مطلب وہ کیفیت ہے کہ دنیا کی کسی چیز کی خواہش کرنے اور اس کے نہ ملنے پر جو طاری ہوتی ہے یا وہ حالت ہے، جو کسی آزمائشی یا دنیاوی مشکل میں پڑنے پر ہوتی ہے یا وہ دکھ ہے جو کسی مال یا کسی عزیز یا کسی منصب کے کھونے پر ہوتا۔ ان سب کیفیات و حالات کو حزن سے تعبیر کیا ہے [25]

اور جب ہم ان معنوی موازنوں کو سامنے رکھتے ہیں اور ان کی روشنی میں اشعار صوفیہ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ چیز آتی ہے کہ گویا ان میں الفاظ کے ساتھ کھیلا گیا ہے اور ایسے معانی و مفاہیم مراد لئے گئے ہیں جنہیں صرف صوفیہ کرام اور عارفین کاملین ہی صحیح معنوں میں سمجھ سکتے ہیں۔

(٥) "ذکــر" شیخ عبداللہ بن ابی منصور انصاری ہروی رحمۃ اللہ تعالی (ت: ۴۸۱ھ) کے ہاں اس سے مراد غفلت و نسیان سے خلاصی پانا ہے، بلاشبہ یہ مفہوم علم لغت اور فقہ ظاہری میں بیان کردہ اصطلاحی معنی کے مخالف ہے، لیکن شیخ عبداللہ ہروی انصاری رحمۃ اللہ تعالی نے ''ذکر'' کو اس کی ضد کے زوال سے تعبیر کیا ہے اور اس کی حقیقت کو

بیان نہیں کیا (۲۶) جبکہ ہمارے خیال میں انہوں نے ''ذکر'' کی تعریف جو عام طور پر کی جاتی ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے وسیع جامع مانع تعریف بیان کی ہے، گویا نقیض کی نفی کے ذریعے سلبی تعریف کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

(٦) ''یقین'' یہ لغت میں ایک ایسا علم ہے جو شک و جہالت کے متناقض ہے، جبکہ یہ صوفیہ کرام کے ہاں کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے: (ا) یہ دلوں میں ودیعت کردہ علم ہے، جس میں حس و عقل کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ (۲) یہ ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ (۳) یہ غیبی امور کی بناء پر اسرار و رموز کے پایہء ثبوت کو پہنچنے کا نام ہے۔[۲۷]

حوالہ جات

(۱) ڈاکٹر عبدالقادر محمود۔ دراسات فی الفلسفۃ الدینیۃ والصوفیۃ والعلمیۃ، صفحہ ۲۷۳، دارالفکر العربی بیروت ۱۹۸۷ء

(۲) ڈاکٹر حسن عاصی۔ التصوف الاسلامی، صفحہ: ۱۴۰، ۱۴۱ موسسۃ عزالدین للطباعۃ والنشر بیروت ۱۹۹۴ء

(۳) ایضا، صفحہ ۱۴۲

(۴) شرح فصوص الحکم من کلام محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ تعالی، تحقیق: محمود العزاب صفحہ ۱۴۵ مصر ۱۹۸۵ء

(۵) ڈاکٹر ابوالعزب مرزوقی۔ شفاء السائل مع دراسۃ تحلیلیۃ للعلاقۃ بین السلطانی الروحی والسلطان السیاسی صفحہ ۳۵، الدار العربیۃ للکتاب، بیروت ۱۹۹۱ء

(۶) ایضا، صفحہ ۳۲ ب۔

(۷) التصوف الاسلامی: صفحہ ۲۲۸ بیروت: ۱۹۷۸ء

(۸) قمر گیلانی: فی التصوف الاسلامی، صفحہ ۷۸، ۹۲ دار مجلۃ شعر، بیروت ۱۹۶۲ء

(۱۰) عبدالحکیم عبدالغنی محمد قاسم: المذاہب الصوفیۃ ومدارسھا، صفحہ ۷، مکتبۃ مدبولی، قاہرۃ ۱۹۸۹ء

(۱۱) عزیز الدین بن عبدالسلام: زبدۃ خلاصۃ التصوف صفحہ ۳۹ مطبعۃ یوسفیہ، طنطا

(۱۲) ایضا، صفحہ ۴۸

(۱۳) ڈاکٹر یحییٰ جبر، نحو دراسات وابعاد لغویۃ فدیدۃ، صفرحہ ۲۷، نابلوس

(۱۴) ڈاکٹر حسن شرقاوی، الفاظ الصوفیۃ ومعانیھا، صفحہ ۸ طبعہ ثانیۃ دار المعرفۃ الجامعۃ

(۱۵) ابوالقاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، الرسالۃ القشیریۃ فی علم التصوف، تحقیق معروف زریق علی بلطجی، جلد ا صفحہ ۲۵ دار الجیل، بیروت ۱۹۹۰ء

(۱٦) الفاظ الصوفیۃ ومعانیھا، صفحہ ۵

(۱۷) ڈاکٹر اسعد تحرانی: التصوف منشاہ و مصطلحاتہ، صفحہ ۵۸ طبعہ اولی دار النفائس، بیروت ۱۹۸۷ء

(۱۸) امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی: المنقذ من الغلال، تقدیم فرید جبر، صفحہ ۳۵ مکتبہ شرقیۃ بیروت ۱۹٦۹ء

(۱۹) سید محمود ابو الفیض مرحوم: المدخل الی التصوف، صفحہ ۹ الدار القومیۃ، قاہرہ

(۲۰) فی التصوف الاسلامی، صفحہ ۱۸

(۲۱) الفاظ الصوفیۃ ومعانیھا صفحہ ۷

(۲۲) قشیری، الرسالۃ القشیریۃ، تحقیق ڈاکٹر عبد الحلیم محمود جلد ۲ صفحہ ۲۹

(۲۳) الفاظ الصوفیۃ ومعانیھا، صفحہ ۱٦۹

(۲۴) ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی، اللمع صفحہ ۳۷۲، دار الکتب الحدیثہ مصر ۱۹۲۰ء

(۲۵) الفاظ الصوفیۃ ومعانیھا، صفحہ ۱۴۲

(۲٦) دراسات فی الفلسفۃ الدینیۃ، صفحہ ۲۷۷

(۲۷) الرسالۃ القشیریۃ، صفحہ ۱۷۹